"نداند و بداند کہ داند" سے نجات

از محمد صبیح انور

صدر محفل قائدایوان کو اظہار خیال کے لیے مدعو کرتے ہیں۔ جناب موصوف آہستگی سے اپنی نشست سے بلند ہوتے ہیں اور پروقار انداز میں ڈائس کی طرف بڑھتے ہیں۔ وہ قرطاس و قلم کی حاجت سے بے نیاز ہوتے ہیں اور اس بے اعتنائی میں بھی ایک شان دل ربائی پائی جاتی ہے۔ قدم ڈائس تک پہنچ کر یک لخت رک جاتے ہیں اور ان کے بشرہ متین پر چند کیفیاتی تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ وہ حاضرین پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں اور دیکھنے والوں پر بجلی گر جاتی ہے۔ حاضرین محفل قائدایوان کی برق نگاہی سے مرعوب ہو کر سہم کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب تقریر کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے عام طور پر بسم اللہ کسی جذباتی شعر سے کی جاتی ہے۔ اولاً انداز نگارش بڑا دھیما اور پرسوز ہوتا ہے مگر رفتہ رفتہ تقریر بلند آہنگی کی طرف مائل ہوتی ہے یہاں تک کہ قائد موصوف کی رگیں تن جاتی ہیں۔ پیشانی پر پسینہ جھلک پڑتا ہے۔ وہ رومال سے صاف کرتے ہیں تو آب دار قطرے افشاں کی طرح آنکھوں اور رخساروں پر بھی گر جاتے ہیں۔ آستینیں چڑھ جاتی ہیں اور ڈائس پر گھونسوں کی متواتر دھمک سے دل لرز جاتے ہیں۔ اگر قائد موصوف نہیں، موصوفہ ہیں تو فرط جذبات سے ان کے عوارض رنگیں مزید گلگوں ہو جاتے ہیں۔ (یہ علیحدہ بات ہے کہ عارض کی رنگینی آرائش مصنوعی یعنی میک اپ کی مرہون منت ہوتی ہے)۔ بسا اوقات ان کا لہجہ ایک نسوانی چیخ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اگر صورت حالات یہیں تک پہنچتی تو خیر تھی، مگر عالم تو یہ گزر جاتا ہے کہ تقریر میں جوں جوں جوش بیان اور روانئ گفتار بڑھتے گئے، تقریر کی اصل روح یعنی فکر توں توں غائب ہوتی جاتی ہے۔ قائدایوان جوش خطابت کی رو میں بہتے ہوئے عقلیت کو بھی خیرباد کہہ دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ حزب اختلاف کے ناکردہ گناہوں کو بھی گردن زدنی جرم قرار

دے دیتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ اس محفل کے پہلے مقرر ہیں۔ جذبات کو ہلا کے رکھ دینے والے گھسے پٹے شعر زیب تقریر ہوتے ہیں۔ سامعین پر بھی ایک طلسماتی فضا قائم ہو جاتی ہے۔ آخر وہ بے چارے بھی کیا کریں! جب مقرر ڈرامائی انداز میں "بیویوں کے شاہ تاجوں' بہنوں کے مہاراجوں اور ماؤں کے راج دلاروں" کی داستان مظلومیت مع اداکاری پیش کرے گا تو کون کافر ایسا ہوگا جو خون کے آنسو نہ رو دے!

یہ تو ہے ہماری روایتی تقاریر کا حال جن میں فکر واستدلال کو جوش بیان کی نذر کر دیا جاتا ہے۔ ایسی جذبات انگیز تقاریر وقتی طور پر تو سامعین کو متاثر کر سکتی ہیں مگر ان کے اذہان پر کوئی دیر پا اثر نہیں چھوڑ پاتیں۔ تقریری مقابلوں کا مقصد تو یہ ہونا چاہیے کہ مقررین اور سامعین کو سوچنے سمجھنے اور اپنی تخلیقی' فکری اور ذہنی صلاحیتوں کو نکھارنے کا موقع دیا جائے۔ ان میں جذبہ فکری اور ذکاوت احساس بیدار کی جائے۔ ان کی دماغی ورزش کرائی جائے اور ساتھ ہی ساتھ مناسب انداز میں سخن گوئی کا موقع فراہم کیا جائے مگر ہماری تقاریر ان مقاصد پر پورا نہیں اترتی۔ تو کیا ہمارے پاس کوئی متبادل طریقہ بحث ہے جس سے ہم اپنی فکری اور ذہنی کاوشوں سے کام لیتے ہوئے' اپنی علمی قابلیت کو جلا بخش سکتے ہیں؟ جی ہاں ہمارے پاس ایک قابل تقلید طریقہ بحث و استدلال ہے' جسے عموماً "پارلیمانی طریقہ بحث" کہا جاتا ہے۔

لاہور میں پارلیمانی طریقہ خطابت کی روح رواں ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو "انگلش سپیکنگ یونین" (انگریزی کی مجلس خطابت) سے موسوم ہے۔ اس تنظیم کے زیر انتظام ہر سال دنیا کے کسی نہ کسی ملک میں ایک بین الاقوامی مقابلے کا انعقاد کیا جاتا ہے جس میں 19 سال سے کم عمر طلبہ و طالبات کو فی البدیہہ خطابت میں اپنے جوہر آزمانے کا موقع ملتا ہے۔ یہ مقابلہ جات اب تک انگلستان' کینڈا' نیوزی لینڈ اور ویلز میں منعقد ہو چکے ہیں۔ پاکستان سے بھی ایک ٹیم ان مقابلوں میں شرکت کے لیے جاتی ہے اور کامیابی کے جھنڈے گاڑ کے لوٹتی ہے۔

پارلیمانی طرز بحث کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بنیادی اہمیت جوش بیان کو نہیں بلکہ فکر کی گہرائی اور استدلال کی مضبوطی کو دی جاتی ہے۔ ہاں' طرز بیان کو مکمل طور پر نظر انداز بھی نہیں کیا جاتا بلکہ تقریر جامع اور پر مغز مواد اور خوبصورت انداز بیان کا حسن مرقع ہوتی ہے۔

ایک مقابلے میں دو ٹیمیں حصہ لیتی ہیں ہر ٹیم کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ پانچ ارکان پر مشتمل

ہوتی ہے۔ موضوع وقت مقررہ سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل فراہم کیا جاتا ہے اور دونوں ٹیمیں علیحدگی میں اپنا اپنا مواد تیار کرتی ہیں۔ تقریر کی تیاری میں ہر قسم کی کتابوں، لغات یا جرائد سے استفادہ کرنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اگرچہ تین سے زیادہ ارکان تقریر سے پہلے تیاری میں شامل ہو سکتے ہیں مگر صرف تین طلبہ ہی باقاعدہ بحث میں حصہ لیتے ہیں۔ یہ بحث چند لگے بندھے اصولوں کی روشنی میں کی جاتی ہے۔ چند نمایاں اصول یہ ہیں۔

حریفین تین تین ارکان پر مشتمل ہیں۔ سب سے پہلے حزب موافق کا قائد اظہار خیال کرتا ہے اور پھر حزب مخالف کا قائد اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ پھر بالترتیب حزب موافق کا دوسرا مقرر حزب مخالف کا دوسرا مقرر حزب موافق کا تیسرا مقرر اور حزب مخالف کا تیسرا مقرر اپنی اپنی ذمہ داریاں نبھاتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہر مقرر کی ذمہ داریاں اس کی باری کے لحاظ سے مخصوص ہیں یا یوں کہیے کہ ہر مقرر کا دائرہ گفتگو مختلف ہوتا ہے۔ دونوں قائدین موضوع میں موجود متنازعہ اور غیر متنازعہ الفاظ و مرکبات کی توضیح و تشریح کرتے ہیں۔ وہ اپنے گروہ کے دلائل و براہین کا لب لباب پیش کرتے ہیں اور اپنے ارکان گروہ میں مواد کی تقسیم کا مختصر خاکہ کھینچتے ہیں۔ نیز قائد ایوان یا قائد حزب اختلاف کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ موضوع کا تاریخی، نظریاتی اور سماجی پس منظر پیش کرے مگر اس سارے عمل میں انتہائی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ قائد کی معمولی لغزش پوری ٹیم کے لیے سم قاتل ثابت ہو سکتی ہے۔ نیز حزب مخالف کا قائد قائد ایوان کی گفتگو سن کر اپنی تقریر میں تردیدی دلائل بھی سامنے لاتا ہے۔ دوسرے نمبر پر آنے والے دونوں مقررین ان ستونوں پر ایک مضبوط عمارت کھڑی کرتے ہیں جو قائدین نے استوار کر لیے ہیں۔ ان مقررین کے دلائل اپنی اپنی ٹیم کے لیے محوری حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ اپنے نقطہ نظر کو سچ ثابت کرنے کے لیے اعداد و شمار کا سہارا لیتے ہیں، تاریخ سے حوالے تلاش کرتے ہیں، انسانی نفسیات سے نکتے اخذ کرتے ہیں اور حالات حاضرہ سے اپنے دلائل ثابت کرتے ہیں۔ یہ مقررین بھی اپنے سے پہلے آنے والے مخالف گروہ کے مقررین کے دلائل کی حسب ضرورت تردید بھی کرتے ہیں۔ تیسرے اور آخری مقررین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ ایک یا دو دلائل کے سوا اپنی تمام تر توجہ تردیدات پر مرکوز رکھے۔ گروہ مخالف کے نقطہ نظر کے نقائص اچھالے اور اپنے گروہ کے نظریات کی معقول قصیدہ خوانی کرے۔ جب چھ مقررین ہو گزرتے ہیں اور سامعین دونوں گروہوں کے خیالات سن کر تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں تو آخری مرتبہ حریفین میں سے ایک ایک مقرر اپنے گروہ کے دلائل سمیٹنے کے لیے آتا ہے۔ اپنی جوابی تقریر میں وہ دو فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اول، گروہ مخالف کا نقطہ نظر پیش کرتا ہے اور دوم، اپنے گروہ کے چیدہ چیدہ نظریات دہراتا ہے اور پروثوق لہجے میں اپنے گروہ کی منطقی برتری ثابت کرتا ہے۔ یہ جوابی تقریر اتنی جان دار ہونی چاہیے کہ دشمن کے زخم خوردہ جسم پر فیصلہ کن

وار ثابت ہو۔ اس کے بعد مقررین دعا کے لیے ہاتھ اٹھالیتے ہیں اور فیصلے کا انتظار کرتے ہیں۔

اس طریقہ بحث کا نمایاں ترین پہلو "نقطہ ہائے اطلاع" ہے۔ یہ نکات دونوں گروہوں کے ارکان مخالف گروہ کے کسی مقرر کی تقریر کے دوران اٹھا سکتے ہیں اور مقرر چاہے تو خوش اسلوبی سے انھیں قبول کرے' چاہے تو ان سے معذرت کرے۔ یہ نکتہ دراصل ایک سوال ہوتا ہے جو نہایت جچا تلا اور حسب محل ہونا چاہیے۔ اتنا زور آور کہ مقرر وقت ذہنی طور پر ڈگمگا کر رہ جائے مگر مقرر کی ہنرمندی اور حاضر جوابی تو اس میں ہے کہ وہ فی الفور ایک ذہین جواب تیار کرے اور نقطہ اٹھانے والے صاحب کی خوب تسلی کردے۔ ہر مقرر کے لیے ضروری ہے کہ وہ دورانِ تقریر گروہِ مخالف سے آنے والے کم از کم دو یا تین نقطہ ہائے اطلاع قبول کرے اور ان کا تشفی بخش جواب دے۔ ان نقطہ ہائے اطلاع سے پارلیمانی انداز بحث کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے۔

مباحثے کے اس اچھوتے انداز میں کسی بھی ٹیم کی کامیابی کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس نے کس حد تک گروہ مخالف کے دلائل کو غور سے سنا اور کم وقت میں جوابی (تردیدی) دلائل تیار کر لیے۔ حاضر دماغی اور باریک نکتہ آفرینیوں کے بغیر میدان مارنا ممکن نہیں۔ آپ جذباتیت کے بل بوتے پر منصفین کو رام نہیں کر سکتے۔ وہ تو صرف آپ کے دلائل اور انداز بیان سے متاثر ہوں گے۔ یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ارکانِ گروہ کی تقاریر موتیوں کی لڑی کی طرح باہم مربوط ہوں مواد کا حسن اجزا میں نہ ہو' بلکہ کل میں ہو۔ ان کے دلائل بے ربط اور بے جوڑ معلوم نہیں ہونے چاہئیں۔ یعنی دوسرا مقرر اپنے پہلے مقرر اور تیسرا مقرر اپنے پہلے دونوں ساتھیوں کے دلائل کی تکمیل کرے اس کے لئے ارکان گروہ میں ذہنی ہم آہنگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں تو یہ بھی کہوں گا کہ اس ذہنی ہم آہنگی کے لیے تعلقِ خاطر بھی درکار ہے۔ ارکان میں ایثار و قربانی کا جذبہ کار فرما ہونا چاہیے۔ اگر ہر مقرر اپنے تئیں تیس تیرمار خان بننے کی کوشش کرے گا تو انفرادی طور پر ان کی تقاریر قابل ستائش ہو سکتی ہیں مگر ٹیم کی اجتماعی کامرانی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔

کسی بھی مقابلے کی نگرانی ایک صدر کرتا یا کرتی ہے۔ تین' پانچ یا سات منصفین فیصلہ دینے پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ منصف حضرات فیصلہ سناتے وقت ہر قسم کے ذاتی میلانات سے بالا ہوتے ہیں اور غیر جانبدار ہو کر دلائل کی مضبوطی' مواد کے انتظام و انضباط اور طرزِ تکلم کی خوبی کی بنا پر مقررین کو نمبر دیتے ہیں۔ بعد میں ہر منصف اپنے نمبروں کو جمع کرتا ہے اور دونوں ٹیموں کے کل نمبروں کی روشنی میں کسی ایک ٹیم کے حق میں اپنا ووٹ دیتا ہے۔ جس ٹیم کے حق میں زیادہ ووٹ آجائیں' وہی فاتح قرار پاتی ہے۔

میرے مشاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ جن درس گاہوں میں پارلیمانی طرز کے مقابلوں کا رجحان ہے' وہاں

سامعین کی ایک مخصوص بیدار مغز قسم نظر آتی ہے- یہ وہ حاضرین نہیں جو حرارتِ خطابت سے موم بتی کی طرح پگھل جائیں گے اور مقرر کو اپنی پلکوں پر اٹھالیں گے- یہ تو وہ نکتہ شناس اور حاضر دماغ سامعین ہیں جو مقرر کے کسی غیر مدلل یا بے ربط نکتے پر منہ بھی بسور لیتے ہیں، خطیب کا ڈرامائی انداز دیکھ کر تیوری بھی چڑھا لیتے ہیں اور کسی خوبصورت دلیل پر داد آفرین آنکھوں سے شاباش بھی دے لیتے ہیں- ان حالات میں مقررین اور بھی احتیاط برتتے ہیں کیونکہ جن لوگوں کے سامنے اپنا نقطہ نظر پیش کرنا ہے وہ خود اہلِ منطق، اہلِ علم اور اہلُ الرائے اصحاب ہیں یعنی کیفیت کچھ یوں ہے کہ

نظر نہیں تو مرے حلقہ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغِ اصیل

میں نے بذاتِ خود اس نوع کے مباحثوں کو بہت قریب سے دیکھا اور سنا ہے اور حتی المقدور ان میں حصہ بھی لیا ہے- میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ اس انداز بحث نے میری روزمرہ زندگی میں بہت سے مثبت نتائج مرتب کیے ہیں- ان تقاریر نے میری ذات میں خود اعتمادی کا جوہر پیدا کیا ہے- میری معلومات میں بیش قدر اضافہ کیا ہے- مجھ پر نت نئے راز اور حقائق منکشف ہوئے ہیں- میرے دماغ پر تعصب اور اندھا دھند تقلید کا جو غلاف چڑھا تھا، وہ ڈھل گیا ہے پہلے میں دیدہ ظاہر سے اپنے ماحول کا نظارہ کرتا، اب میں چشم بینا کا مالک بن گیا ہوں اور حقائق کی کھوج میں رہتا ہوں کسی مسئلے پر فیصلہ قائم کرنے سے پہلے خوب غور و خوض کرتا ہوں- المختصر پارلیمانی طریقہ بحث میں حصہ لے کر میں ایک بہتر انسان بن گیا ہوں-

قوی امید ہے کہ ہم گورنمنٹ کالج، لاہور میں بھی اردو اور انگریزی میں اس طرز کی تقاریر کا احیا کریں گے- اربابِ بست و کشاد سے درخواست ہے کہ وہ ہماری بھرپور مدد کریں اور اپنے راوینز کو ایک اصلاحی اور علمی طرزِ استدلال سے نوازیں-

———O———

نوحہ عہد رفتہ!